

دعوتِ دین کا حکیمانہ اسلوب

دعوت کے دو بنیادی کردار ہیں: ایک داعی اور دوسرا مدعو۔ تاہم دعوت کی کامیابی کا مکمل انحصار داعی کی ذات پر ہے کیونکہ دعوت کے مضامین خواہ کتنے ہی پرکشش کیوں نہ ہوں، اگر داعی کا طریق دعوت ڈھنگ کا نہیں ہے اور وہ مخالف کو حالات کے مطابق مختلف اسالیب اختیار کر کے بات سمجھانے کی قدرت نہیں رکھتا تو اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ جو بات ایک پہلو سے سمجھ میں نہیں آتی، وہی بات جب دوسرے انداز سے سامنے آتی ہے تو دل میں اتر جاتی ہے۔ مبلغ کی کامیابی صرف اس بات میں ہے کہ دوست دشمن سبھی پکار اٹھیں کہ اس نے ابلاغ کا حق ادا کر دیا ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں تشریف آیات اسی چیز کا نام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذَٰلِكَ نَصْرَفُ الْأَيَّاتِ وَلِيَقُولُوا
دَرَسْتُ وَلَيْسَ بِهِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
(الانعام، ۶: ۱۰۵)

”اور اسی طرح ہم اپنی دلیلیں مختلف اسالیب سے پیش کرتے ہیں، تاکہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور وہ بول اٹھیں کہ تم نے اچھی طرح پڑھ کر سنا دیا اور تاکہ ہم جاننے والوں کے لیے اچھی طرح واضح کر دیں۔“

قرآن مجید کے اولین مخاطب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ ہیں، اس لیے قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے صحابہ کرامؓ کو دعوت کے طریق کار اور اسالیب کی تعلیم دی۔ یہ ایک ایسی انفرادیت ہے جو اسلام کے علاوہ کسی بھی الہامی و غیر الہامی مذہب کو حاصل نہیں کہ اس نے اپنے پیروکاروں کو باقاعدہ دعوت و تبلیغ کے اصول پوری شرح و بسط سے بتائے ہوں۔ سید سلیمان ندویؒ رقمطراز ہیں:

”یہ نکتہ کہ کس طرح لوگوں کو سچائی کے قبول کرنے کی دعوت دینی چاہیے، دنیا میں پہلی دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ادا ہوا۔ وہ مذہب بھی جو الہامی اور تبلیغی ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں، یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کے صحیفوں نے ان کے لیے تبلیغ کے اہم اصول کی تشریح کی ہے لیکن صحیفہ محمدی ﷺ نے نہایت اختصار لیکن پوری تشریح کے ساتھ اپنے پیروؤں کو یہ بتایا کہ پیغام الہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے اور ان کو قبول حق کی دعوت کس طرح دی جائے“ (سیرت النبی ﷺ، ۹۱/۲)

ماہنامہ الشریعہ ۱ اکتوبر ۲۰۰۲ء

قرآن مجید نے اپنے مخصوص معجزانہ اسلوب کے مطابق دعوت کے اصول ان الفاظ میں بیان فرمائے ہیں:
ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ (النحل، ۱۶: ۱۲۵)
 اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مناظرہ کرو؛

اس آیت مقدسہ میں دعوت دین کے تین بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں: حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ بطریق احسن۔ اگر رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ داعی اسلام کی حیثیت سے کیا جائے تو یہ بات بڑی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے فریضہ کو ادا کرتے وقت ان اصولوں سے سر مو انحراف نہیں کیا اور آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ کے دعوتی کردار میں بھی انہی اصولوں کا غلبہ نظر آتا ہے۔ ایک غیر تربیت یافتہ داعی دعوت دین کے لیے کس قدر غیر موزوں ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ فرماتے ہیں:
 ”ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ اگر اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بودے اور کمزور ہوں گے، اگر اس کا انداز خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا، اگر اس کی تبلیغ اخلاص و ملیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فطرت تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان، ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیوی لالچ یا خوف و ہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم کو دعوت اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔“ (”ضیاء القرآن“، ۶۱/۲)

گویا دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار داعی کا ہے۔ داعی جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہوگا، اسی قدر اس کی دعوت مؤثر ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مؤثر ہونے کی ایک اہم وجہ آپ ﷺ کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپ ﷺ کا اسلوب دعوت تھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی و علاقائی پس منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا کام کیا۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا کوئی متعین طریق دعوت نہ تھا بلکہ مخاطبین دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپ ﷺ کا اسلوب دعوت بھی تبدیل ہو جاتا تھا۔ ایک جاہل، ان پڑھ اور اجڑا مخاطب کو دعوت دینے کا انداز پڑھ لکھے اور شہر کے رہنے والے فرد سے مختلف ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوتی زندگی کا مطالعہ ہر داعی اسلام کے لیے اس حوالے سے دلچسپ بھی ہے اور قابل تقلید بھی کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ مخاطب کی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر اس کو دعوت پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ سے ملنے کے بعد لوگ مطمئن ہو کر واپس جاتے تھے۔

دعوت دین کا یہ وہ اسلوب ہے جو اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنے حبیب مکرم ﷺ کو سکھایا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو دعوت دین کے ان ہی مختلف اسالیب کی تعلیم دی اور پھر صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ہدایات اور طرز

عمل کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

”عبداللہ بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا: اے ابو عبدالرحمن! میری خواہش ہے کہ آپ روزانہ وعظ کیا کریں، تو انہوں نے فرمایا میں ایسا اس وجہ سے نہیں کرتا کہ کہیں تم پر بوجھ نہ بن جاؤں۔ میں بھی اسی طرح نادمہ کر کے تمہیں نصیحت سناتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہم کو وقفہ کر کے نصیحت سنایا کرتے تھے تاکہ ہم بیزار نہ ہو جائیں۔“

اس روایت سے بہر حال یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرامؓ دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور طریقہ عمل کو پیش نظر رکھتے تھے۔ دعوت و تبلیغ میں دعوت کے پیش کرنے کا ڈھنگ اور اسلوب کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بھی کسی داعی کو کسی قوم، قبیلے یا علاقے کی طرف روانہ فرمایا تو وہاں کے لوگوں کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کو دعوت کے کسی نہ کسی اسلوب کی بھی تعلیم ارشاد فرمائی۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اصول تدریج کی تلقین

رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ دعوت و تبلیغ میں تدریج کا لحاظ رکھا اور دوسرے مبلغین اسلام کو بھی اصول تدریج کی تلقین فرمائی۔ حکمت تبلیغ کے ضمن میں داعی کا فرض ہے کہ تدریج کے پہلو کو نظر انداز نہ کرے۔ تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی ایک بارگی شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لاد دے بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ تدریج کا یہ اصول فرد اور قوم دونوں کے لیے ضروری ہے۔ دین ایک نظام ہے اور اس نظام کو اگر حکیمانہ ترتیب سے پیش نہ کیا جائے تو مطلوبہ نتائج برآ مد نہیں ہو سکتے۔ اسی حقیقت کی طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”قرآن میں سب سے پہلے جو چیز نازل کی گئی، وہ مفصل کی سورتوں میں سے ایک سورۃ ہے، جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کے دائرے میں آ گئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر بالکل شروع ہی میں حکم آ جاتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم دیا جاتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے“ (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، ج: ۴، ص: ۸۹۶)

اصول تدریج میں داعی احکام کی ترتیب کیا رکھے گا؟ اس کی وضاحت بھی خود زبان رسالت ﷺ نے فرمادی کہ سب سے پہلے توحید و رسالت کی دعوت دی جائے، اس کے بعد عبادات۔ عبادات میں بھی اہم پھر اہم کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل کو جب یمن دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا تو ان الفاظ میں تلقین فرمائی:

ماہنامہ الشریعہ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

”تم عنقریب اہل کتاب کی ایک قوم کے پاس پہنچو گے۔ جب تو ان کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے انہیں یہ دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ جب وہ اس میں تیری اطاعت کر لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر دن رات کی پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور جب وہ تیری یہ بات مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے صدقہ فرض کیا ہے۔ یہ صدقہ ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دیا جائے گا اور جب وہ اس کو تسلیم کر لیں تو دیکھو چن چن کر ان کا عمدہ مال نہ لے لینا اور ہاں مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں“

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسیٰؓ ومعاذؓ الی الیمن، ج: ۴۳۷، ص: ۳۶۷۔
ایضاً ج: ۴۹۶، ۱۳۹۵، ۱۴۵۸، ۲۷۷۷۔ مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عباس، ج: ۲۰، ۲۰۷، ۳۸۶/۱)

رفق و نرمی کی تلقین

داعی دعوت کا کوئی بھی اسلوب اختیار کرے، جب تک وہ مخاطب سے نرمی اور خیر خواہی کے جذبہ سے بات نہیں کرے گا، اس کی دعوت مؤثر نہیں ہوگی۔ سختی اور شدت مخاطب کے دل میں نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتی ہے جس سے مخاطب اپنی ضد پر اڑ جاتا ہے۔ نتیجتاً دعوت کا سارا فائدہ اور نصیحت کا سارا اثر زائل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو اپنے بدترین مخالفین سے بھی نرم انداز میں گفتگو کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون جیسے باغی کے سامنے پیغام ربانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت بھی فرمائی:

إِذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۖ فَقُولَا لَهُ ۖ
قَوْلًا تَلَقَّ ۚ لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ

”تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے سرکشی کی ہے تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (اللہ سے) ڈرے۔“ (طہ، ۴۳:۲۰، ۴۴)

دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی کہ نہ انبیاء سے بہتر کوئی داعی ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی سرکش اور باغی ہو سکتا ہے۔ اگر ایسے مجرم کے سامنے وعظ و نصیحت کرتے وقت نرمی اختیار کرنے کا حکم ہے تو عام مجرم اور گمراہ لوگوں سے تو کہیں بڑھ کر نرمی اختیار کرنی چاہئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مبلغ صحابہ کرام کو ہمیشہ نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت طفیل بن عمرو نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی ہی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ لوگوں کو مسلسل دعوت دیتے رہے لیکن قوم انکار کرتی رہی۔ بالآخر وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قبیلہ دوس نے مجھے ہر ادیا۔ میں نے ان کو بہت دعوت دی لیکن وہ ایمان نہیں لائے۔ آپ ﷺ ان کے لیے بددعا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے بددعا کرنے کے بجائے قبیلہ دوس کے لیے یہ دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ اهْدِ دُوسًا، رَجِعْ إِلَىٰ قَوْمِكَ
فَادْعِهِمْ وَارْفُقْ بِهِمْ

”اے اللہ دوس کو ہدایت عطا فرما (طفیل بن عمرو سے فرمایا) تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ ان کو

ماہنامہ الشریعہ ۱ اکتوبر ۲۰۰۲ء

(ابن ہشام، ”السيرة النبوية“، ۴۲۲۱۔ ابن
اثیر، ”اسد الغابہ“، تذکرہ طفیل بن عمرو، ۵۵/۳) کرؤ۔
دعوت دیتے رہو لیکن ان کے ساتھ نرمی اختیار

چنانچہ مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم کردہ اسلوب کو اختیار کرنے کا نتیجہ انتہائی شاندار نکلا۔
کثیر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ۷ھ میں جب حضرت طفیل بن عمرو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان
کے ساتھ قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے لوگ تھے۔ (ابن ہشام، قصۃ اسلام الطفیل بن عمرو الدوسی، ۲۲۳/۱۔
اسد الغابہ، تذکرہ طفیل بن عمرو، ۵۵/۳)
رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن مرہ الجہنی کو اپنے قبیلہ کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجا تو ان کو دعوت و تبلیغ کا یہ
اسلوب تعلیم فرمایا:

علیک بالرفق والقول السدید، ولا
تکن فظا ولا متکبرا ولا حسودا
”نرمی سے پیش آنا، صحیح اور سچی بات کرنا، سخت
کلامی اور بد خلقی سے پیش نہ آنا، تکبر اور حسد نہ
(ابن کثیر، ”البدایہ والنہایہ“، ۳۵۱/۲) کرنا“

دعوت و تبلیغ میں حسن اخلاق اور نرمی کا اسلوب کس قدر مؤثر ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ
رسول اللہ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو دعوت و تبلیغ کے لیے یمن روانہ فرمایا، حضرت خالد بن ولید نے بعض
لوگوں کے ساتھ سختی کی جس کی وجہ سے چھ ماہ مسلسل کوشش کے باوجود بھی لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ چنانچہ رسول اللہ
ﷺ نے ان کو واپس بلا لیا اور حضرت علیؓ کو بطور مبلغ روانہ فرمایا۔ ابن اثیر کا بیان ہے:

”رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن بھیجا اور ان سے قبل آپ ﷺ خالد بن ولید کو یمن دعوت و تبلیغ کے لیے
بھیج چکے تھے لیکن ان لوگوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ لہذا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو روانہ کرتے وقت
نصیحت کی کہ وہ خالدؓ اور ان کے اصحاب کی وجہ سے (اہل یمن کے ساتھ) ہونے والی بدسلوکی اور نقصان
کا تاوان ادا کریں (ان لوگوں سے نرمی کریں) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کا خط
پڑھ کر سنایا تو قبیلہ ہمدان سارے کا سارا ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا“۔ (اکمال فی التاريخ، ۲۰۵/۲)

وہ لوگ جو چھ ماہ سے تمہول اسلام سے انکاری تھے، جب ان کے ساتھ نرمی کا اسلوب اختیار کیا گیا تو انہوں نے
فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان چند روایات سے نرمی کے اسلوب کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ترغیب و ترہیب کی تلقین

حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ سے مروی ہے کہ بنی حارث بن کعب کے وفد کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عمرو
بن حزم الانصاری کو ان کا والی مقرر کیا تا کہ ان سے زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی تعلیمات سے
بھی روشناس کرائیں۔ آپ ﷺ نے عمرو بن حزم کو بنی حارث کی طرف ایک طویل مکتوب دے کر روانہ فرمایا جس میں

ماہنامہ الشریعہ ۱ اکتوبر ۲۰۰۲ء

ان کو اسلامی احکام کی تبلیغ کا حکم فرمایا اور اس کے ساتھ ان کو دعوت میں ترغیب و ترہیب کا انداز اختیار کرنے کا بھی حکم دیا:

وَيُشِرُ النَّاسَ بِالْجَنَّةِ وَعَمَلُهَا، وَيُنْذِرُ
النَّاسَ النَّارَ وَعَمَلُهَا وَيَسْتَأْلفُ النَّاسَ
حَتَّى يَفْقَهُوا فِي الدِّينِ
(ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب ۲۵۰/۳۔
تاریخ الامم والملوک، ۱۵۷/۳ (واقعات ۱۰ھ)
ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۲۳۹/۴)

حضرت خالد بن ولید نے، جن کو بنی حارث کی طرف تبلیغی مہم پر بھیجا گیا تھا، بذریعہ خط اپنی کامیابی کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مزید تبلیغ جاری رکھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ تلقین بھی فرمائی:

فَبَشِّرْهُمْ وَانْذِرْهُمْ
(ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن کعب، ۲۳۹/۴) ”تم ان کو جنت کی خوشخبری دو اور ان کو دوزخ سے ڈراؤ“

موقع محل کا لحاظ رکھنے کی تلقین

ہر داعی اسلام کے لیے ضروری ہے کہ وہ دیکھے کہ کیا دعوت و تبلیغ کے لیے یہ وقت اور موقع مناسب ہے کیونکہ اگر مخاطب اعتراض اور نکتہ چینی کی طرف مائل ہو تو جذبے کی سچائی اور اندرونی لگن کے باوجود داعی کی دعوت غیر مؤثر ہوگی۔ اس وقت مناسب یہ ہوگا کہ داعی بحث کو بڑھانے کے بجائے وہیں ختم کر کے وہاں سے ہٹ جائے اور کسی مناسب موقع کا انتظار کرے۔ جب کسی دوسرے موقع پر مخاطب کا ذہن نکتہ چینی کی طرف مائل نہ ہو تو پھر اس کے سامنے حق کو پیش کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي الْأَيْنَاءِ
فَاعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي
حَدِيثٍ غَيْرِهِ (الانعام، ۶: ۶۸)

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے موقع بے موقع دعوت و تبلیغ جیسے نازک کام سے منع کیا ہے جب مخاطب کسی کاروبار یا ایسی دلچسپی میں منہمک ہو جس کو چھوڑ کر دعوت حق کی طرف متوجہ ہونا اس کی طبیعت پر گراں گزرے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں مخاطب داعی کی بات کو کبھی بھی دل کی گہرائیوں اور حقیقی جذبے سے نہیں سنے گا جو دعوت کی کامیابی کا سب سے لازمی عنصر ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تلقین فرمائی کہ وہ دعوت و تبلیغ کے جوش میں ہر مجلس میں نہ گھس جایا کریں بلکہ پہلے حالات کا جائزہ لیں۔ اگر دعوت کے لیے ماحول سازگار ہو تو دعوت دیں ورنہ مناسب وقت کا انتظار کریں۔

ماہنامہ الشریعہ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

آسانی اور سہولت کی تلقین

دین کی جائز آسانی اور سہولت کو پیش نظر رکھنا، دین کو درشت اور مشکل نہ بنانا اس کی قبولیت کا اہم ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے عام مسلمانوں کے لیے ہمیشہ آسانی اور سہولت کے پہلو کو پیش نظر رکھا۔ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل کے متعلق ارشاد فرماتی ہیں:

ما خیر رسول اللہ ﷺ بین امرین الا
أخذ ایسرهما مالم یکن اثماً، فان کان
اثماً کان ابعد الناس منه، وما انتقم
رسول اللہ ﷺ لنفسه الا ان تنتهک
حرمة اللہ فینتقم للہ بها
(الموطأ، کتاب حسن الخلق، باب ما جاء فی حسن الخلق،
ج: ۶۹۰، ص: ۵۵۵۔ صحیح مسلم، ج: ۶۰۴۵۔ صحیح
البخاری، ج: ۶۱۲۶)

”رسول اللہ ﷺ کو کبھی دو امور میں اختیار نہیں دیا
گیا مگر یہ کہ آپ ﷺ نے ان میں سے آسان کو
اختیار کیا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔ اگر گناہ ہو تو
اس سے تمام انسانوں سے زیادہ دور ہوتے۔
رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے
انتقام نہیں لیا مگر جبکہ اللہ کی حرمت مجروح ہو تو پھر
آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے“

انسان طبعاً سہولت پسند ہے اس لیے داعی کا فرض ہے کہ وہ دین کو مشکلات کا مجموعہ نہ بنائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو، دینی زندگی کو لوگوں کے لیے آسان بنا کر پیش کرے۔ دینی معاملات میں تشدد پسندی اور سختی سے حتی الوسع پرہیز کرے اور اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو جو صل سب سے آسان ہو، اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل سے اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

”ایک دیہاتی مسجد میں آیا، اس نے دو رکعتیں ادا کیں پھر کہنے لگا: اے اللہ مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے
ساتھ کسی اور پر نہ فرما۔ رسول اللہ ﷺ نے توجہ فرمائی اور فرمایا: تو نے وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔ پھر اس نے جلدی سے
مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اس کی طرف (مارنے کی خاطر) دوڑے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں آسانی
کرنے والا بنایا گیا ہے، مشکل پسند نہیں۔ اس پر پانی کا ایک ڈول بہادو“

(صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب یصیب الماء علی البول فی المسجد، ج: ۲۲۰، ص: ۴۱۔ ایضاً، کتاب
الادب، باب قول النبی ﷺ یسروا ولا تعسروا، ج: ۶۱۲۸، ص: ۱۰۶۸۔ صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب
وجوب غسل البول وغیرہ: ۶۶۱، ص: ۱۳۳۔ جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی البول یصیب
الارض، ج: ۱۴۷، ص: ۴۱۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الارض یصیب البول، ج: ۳۸۰، ص: ۶۶۔ سنن
نسائی، کتاب الطہارۃ، باب ترک التوقیت فی الماء، ج: ۵۶، ص: ۷)

جہالت یا عدم واقفیت ایک مرض ہے۔ اسے ایک قسم کی معذوری سمجھ کر ازالے کی کوشش کرنا ہی انسانیت کی

خدمت ہے لیکن اس سے اظہارِ نفرت و انتقام گویا اس کی اصلاح کے تمام راستے بند کرنے والی بات ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

عن انس قال رسول الله ﷺ: خير دينكم ايسره، وخير العبادۃ الفقه (ابن عبد البر، جامع بيان العلم وفضله، باب تفصيل العلم على العبادۃ، ۲۱/۱)

”حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا دین آسان ہے اور اچھی عبادت دینی بصیرت حاصل کرنا ہے“

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن میں دعوتی مہم پر روانہ فرمایا تو ان کو اسی اسلوبِ دعوت کی تلقین ان الفاظ میں فرمائی:

يسرّوا ولا تعسّروا، وبشّروا ولا تنفّروا (ابن ہشام، وصیۃ الرسول معاذ بن حنین بعث الی الیمن، ۲۳۶/۴)

”دین کو آسان بنا کر پیش کرنا سخت بنا کر پیش نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا نفرت نہ دلانا“

صحابہ کرامؓ نے اگر کبھی دینی معاملات میں اعتدال سے ہٹ کر تشدد کی راہ اپنائی تو آپ ﷺ نے انتہائی سختی سے منع فرمایا۔ حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے ایک مرتبہ انصار کو نماز مغرب پڑھائی اور قرأت کو خوب طول دیا۔ حضرت حازم انصاریؓ نہ ٹھہر سکے اور اپنی علیحدہ نماز پڑھ کر چل دیے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ ان سے سخت ناراض ہوئے۔ حضرت حازمؓ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ معاذؓ ہمیں بہت طویل نماز پڑھاتے ہیں جس کی ہم طاقت نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

يا معاذ! افّان انت؟ افّان انت؟ اقرأ بكذا، اقرأ بكذا (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب تخفیف الصلوٰۃ، ج: ۷، ص: ۷۹۰، ۱۲۳۔)

”اے معاذ! کیا تم فتنہ میں ڈالنے والے ہو؟ اے معاذ! لوگوں پر تخفیف کرو“

اسد الغابہ، تذکرہ حازم انصاری، ۳۶۰/۱۱

رسول اللہ ﷺ نے ثقیف پر حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو امیر مقرر کر کے روانہ فرمایا۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے جو آخری عہد لیا، وہ یہ تھا:

يا عثمان! تجاوز في الصلوٰۃ، واقدر الناس باضعفهم، فان فيهم الكبير والصغير والضعيف وذا الحاجة (ابن ہشام، امر وفد ثقیف واسلامھا، ۱۹۵/۴۔ اسد الغابہ، تذکرہ عثمانؓ بن ابی العاص، ۳۷۲/۳)

”اے عثمان! نماز ہلکی رکھنا اور لوگوں میں ان کے سب سے زیادہ ضعیف آدمی کو معیار بنانا، کیونکہ (نماز پڑھنے والے) لوگوں میں بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی، ضعیف بھی ہوتے ہیں اور صاحبِ ضرورت بھی“

ماہنامہ الشریعہ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

شاہان جمیر نے قاصد کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع بھیجی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف چند صحابہ کو محاصل جمع کرنے اور دعوت و تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا، ان لوگوں میں حضرت معاذ بن جبل بھی تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روانگی کے وقت ان سے عہد لیا اور سہولت اور آسانی کا اسلوب اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

یَسِّرْ وَلَا تَعَسِّرْ، وَبَشِّرْ وَلَا تَنْفِرْ،
وانک ستقدم علی قوم من اهل
الکتاب، یسلونک مامفتاح
الجنة؟ فقل شهادة ان لا اله الا الله
وحده لا شریک له
(ابن ہشام، وصیہ الرسول ﷺ معاذ بن عمرو
الی المین، ۲۳۶/۴)

”آسانی پیدا کرنا، دشواری پیدا نہ کرنا، خوش رکھنے
والی باتیں کرنا، نفرت دلانے والی باتیں نہ کرنا، تم
اہل کتاب کے کچھ لوگوں کے پاس جا رہے ہو، وہ
تم سے پوچھیں گے جنت کی کنجی کیا ہے؟ تو تم کہنا:
اس بات کی گواہی دینا کہ خدائے واحد کے سوا اور
کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں اور اس کا کوئی
شریک نہیں ہے۔“

حضرت ابو سعید انصاریؓ سے مروی ہے:

”ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں تو فلاں شخص کی وجہ
سے فجر کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں (باجماعت ادا نہیں کر سکتا)، کیونکہ وہ بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے۔“
راوی کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کو وعظ کے دوران کبھی اس قدر غصے میں نہیں دیکھا جتنا اس دن
ہوئے۔ پھر فرمایا:

يا ايها الناس! ان منكم منفرين، فايكم
ما صلي بالناس فليوجز، فان فيهم
الكبير والضعيف وذا الحاجة
(صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب بل یقتضی القاضی
او یفتی وهو غضبان؟ ج: ۱۵۹، ص: ۱۲۳۲۔
ایضاً، کتاب الاذان، باب تخفیف الامام فی القیام،
ج: ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۱۱۰)

اے لوگو! تم میں کچھ لوگ نفرت پھیلانے والے
ہیں، جو شخص لوگوں کو نماز پڑھائے وہ مختصر
(قرأت وغیرہ) کرے، ان میں بوڑھے، کمزور
اور کام والے بھی ہوتے ہیں۔“

مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھنے کی تلقین

دعوت و تبلیغ میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ داعی مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی دعوت پیش کرے۔
اگر داعی عام مخاطب کی ذہنی استعداد کو نظر انداز کرتے ہوئے منطقی استدلال اور فلسفیانہ بحثیں شروع کر دے یا کسی

ماہنامہ الشریعہ / اکتوبر ۲۰۲۰ء

صاحب علم اور دانشور شخص کو دعوت دینے وقت گفتگو کا غیر علمی اور غیر عقلی اسلوب اختیار کرے، تو اس صورت میں دعوت کے موثر ہونے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ اس لیے داعی کا فرض ہے کہ وہ مخاطب کی ذہنی استعداد اور نفسی کیفیات کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت کا فریضہ ادا کرے۔ داعی درحقیقت ایک بے مثال استاد اور مربی کی طرح ہے جو سامع کا نفسیاتی جائزہ لیتے ہوئے اس کے ذہنی پس منظر، اس کی استعداد اور اس کے مزاج کو سامنے رکھ کر بات کرتا ہے۔ وہ ایک بدوی اور شہری، پڑھے لکھے اور ان پڑھ، اور عقل و تجربہ کے مختلف مدارج رکھنے والے انسانوں سے مختلف طریقوں اور اسالیب سے گفتگو کرتا ہے۔ خود داعی اعظم ﷺ نے ہمیشہ مخاطب کے ذہنی معیار کی رعایت فرمائی۔ اسی لیے ہر شخص آپ ﷺ سے مطمئن ہوتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ مخاطب کی ذہنی استعداد کا لحاظ رکھتے ہوئے عمدہ مثالوں اور روزمرہ کے مشاہدات سے اس انداز میں استدلال فرماتے کہ بات سامع کے دل و دماغ میں اترتی چلی جاتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

”ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی نے سیاہ بچے کو جنم دیا ہے اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ اس نے کہا: سرخ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان میں سے کوئی سیاہی مائل بھی ہے؟ اس نے کہا: ہاں سیاہی مائل بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہاں سے آ گیا؟ کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! شاید ان کی کہیں اصل نسب میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شاید یہ بھی کہیں اصل نسب میں ہوگا۔“

(صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب اذا عرض بنی الولد، ج: ۵، ص: ۵۳۰، ۹۴۸۔ ایضاً، کتاب الحدود، باب ما جاء فی التعریض، ج: ۲، ص: ۶۸۴، ۱۱۸۰۔ ایضاً، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب من شبه أصلاً معلوماً ج: ۳، ص: ۱۲۵۹۔ صحیح مسلم، کتاب اللعان، ج: ۲، ص: ۶۸، ۳۷۲ (۶۵۲)

چنانچہ وہ بدو بالکل مطمئن ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھی یہی تلقین فرمائی کہ وہ لوگوں کی عقل اور ذہنی استعداد کے مطابق دعوت دیں۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں:

”آپ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگوں کی ذہنی
أمرنا ان نكلّم الناس علی قدر عقولهم
 (مختب کثر العمال، کتاب الاخلاق، باب فی الاخلاق استعداد کے مطابق بات کریں“
 المحمود، ج: ۳، ۸۵۰، ۷۰/۴)

مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنے کی تلقین

داعی کا فرض ہے کہ وہ ممکن حد تک مخاطب کے معاشرتی و سیاسی مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھے۔ کیونکہ ایسے لوگ عزت افزائی کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر داعی ان کے مقام و مرتبہ کو نظر انداز کرے گا تو ممکن ہے کہ شیطان اسے گمراہ کر دے اور اسے حق بات سننے سے روک دے۔ اس لیے داعی حق کو چاہئے کہ وہ ایک خاص حد تک ان کی اس کمزوری

کا لحاظ رکھتے تاکہ قبول حق میں ان کے اپنے نفس کی مزاحمتوں کے سوا داعی کی طرف سے کوئی جدید مانع پیدا نہ ہو جائے۔ خود رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل تھا کہ آپ ﷺ وفود عرب، جو عام طور پر قبائلی رؤسا اور سرداروں پر مشتمل ہوتے تھے، کی پیشوائی فرماتے، ان کے احترام کے لیے کھڑے ہوتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے، چنانچہ کئی وفود جو محض معاہدہ صلح کے لیے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تھے، آپ ﷺ کے حسن اخلاق اور عزت افزائی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسلام قبول کر لیا۔ مثلاً وفد اشجع معاہدہ صلح وامن کے لیے آیا تھا لیکن آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ (ابن سعد، ”الطبقات الکبریٰ“، وفد اشجع، ۳۰۶/۱) اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کی بھی اسی نیچ پر تربیت فرمائی اور ان کو حکم دیا کہ وہ لوگوں سے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق سلوک کریں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

”لوگوں سے ان کی قدر و منزلت کے مطابق پیش

انزلوا الناس منازلهم

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی تنزیل آؤ۔)

الناس منازلهم ج: ۴۸۴ ص: ۶۸۴)

مخاطب کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھنے اور دعوت کو نرم انداز میں پیش کرنے کا جو حکم ہے اس کا جواز فقط اسی حد تک ہے جہاں تک حق کے وقار کو ٹھیس نہ پہنچے، اگر اس اسلوب کو اختیار کرنے سے دعوت حق کا وقار مجروح ہونے کا اندیشہ ہو تو داعی کو ایسے تمام طریقوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

اعجاز و اختصار کی تلقین

داعی کے لیے اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ دعوت کی فضول تکرار اور بے فائدہ طول بیان کہیں لوگوں کو دعوت کے مضامین ہی سے متفرق نہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ کے خطبہ نہایت مختصر ہوا کرتے تھے اور بعض روایات میں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ کے اختصار کو خطیب کی دانش مندی کی علامت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

”بعض خطبے جادو ہوتے ہیں“

ان من البيان سحراً

(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ما جاء فی

الشعر، ج: ۵۰۱ ص: ۷۰۵)

اس حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر داعی کا خطبہ مختصر، جامع اور بلیغ ہوگا تو وہ جادو کی طرح اثر کرے گا۔ جبکہ طویل خطبہ نہ صرف سامع کی طبیعت کو کند کر دے گا بلکہ دعوت کو قبول کرنے کی حس اور صلاحیت کو بھی ختم کر دے گا۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ اختصار سے کام لیا نیز آپ ﷺ نے صحابہ کرام کی بھی اسی نیچ پر تربیت فرمائی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ میں اختصار کا حکم

أمرنا رسول الله باقصار الخطب

(سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب اقصار فرمایا ہے“

ماہنامہ الشریعہ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

(الخطب، ج: ۱۱۰۶، ص: ۱۶۶)

حضرت عمار بن یاسرؓ نے ایک دفعہ خطبہ دیا تو آپؐ نے اپنے خطبہ میں اختصار سے کام لیا۔ قبیلہ قریش کے ایک شخص نے کہا اگر آپؐ کچھ مزید فرماتے تو بہتر تھا، آپؐ نے جواب دیا:

ان رسول اللہ ﷺ نہی ان تطیل
الخطبة (المسند، حدیث عمار بن یاسرؓ، فرمایا ہے“

(ج: ۱۸۴۱۰، ۵/۴۱۹)

جبر و اکراہ سے اجتناب کی تلقین

اسلام کو جملہ الہامی و غیر الہامی مذاہب میں اس لحاظ سے انفرادیت حاصل ہے کہ اس نے اپنی ترویج و اشاعت کے باقاعدہ اصول بیان کیے ہیں اور کھل کر اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ دین ایسی چیز نہیں جس کو زبردستی کسی پر ٹھونسا جائے کیونکہ دین اسلام کا اولین جزو ایمان ہے اور ایمان نام ہے یقین کا۔ دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی زبردستی پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لیے قرآن کا واضح حکم ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ
الْغَيِّ (البقرہ، ۲: ۲۵۶)

دعوتِ دین کا یہ وہ اسلوب ہے جس کو نہ صرف رسول اللہ ﷺ نے خود اختیار فرمایا بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی اس کی تلقین فرمائی چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جب عمرو بن حزم کو بنو حارث بن کعب کی طرف دعوت و تبلیغ اور صدقات کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا تو ان کو ایک تحریر لکھ کر دی جس میں یہ ہدایت واضح طور پر درج تھی:

.....وأنه من اسلم من يهودى
اونصرانى اسلاما خالصا من نفسه،
ودان بدین الاسلام، فانه من المومنین،
له مثل ما لهم، وعليه مثل ما عليهم،
ومن كان على نصرانيته أو يهوديته فانه
لايردعنها (ابن ہشام، اسلام بنی الحارث بن
کعب، ۲: ۲۵۱)

”..... اور جو یہودی یا نصرانی اپنی طرف
سے مخلصانہ اسلام لے آئے اور دین اسلام کو اپنا
دین بنالے، وہ مومنوں میں شمار ہوگا، اس کے وہی
حقوق ہوں گے جو مومنوں پر ہوں گے اور جو اپنی
یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے گا اسے اس
یہودیت یا نصرانیت سے پھیرا نہ جائے گا“

خلاصہ بحث

مخاطبین دعوت دو چیزوں سے فوری طور پر متاثر ہوتے ہیں: ایک داعی کا ذاتی کردار اور دوسرا اس کا بات کرنے

ماہنامہ الشریعہ / اکتوبر ۲۰۰۲ء

کا انداز کہ وہ کس انداز میں اپنی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس لیے ایک داعی کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے حق کو بیان کر دے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ مضامین دعوت کو لوگوں کے سامنے اس طریقے سے پیش کرے اور بات اس پیرائے میں کرے کہ ان پر حق پوری طرح آشکارا ہو جائے اور بات ہر خاص و عام کی سمجھ میں آجائے اور جن لوگوں کے دلوں میں قبول حق کی کچھ بھی صلاحیت اور تڑپ ہے، وہ اس کو قبول کر لیں۔ اس مقصد کے حصول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دعوت کی زبان انتہائی مؤثر، داعی کا طرز کلام فطری اور اس کا اسلوب دل نشین ہو۔

ایک داعی کا کام یہ نہیں کہ وہ ایک مؤرخ کی طرح واقعات کو بیان کر دے بلکہ اس کا کردار ایک صحافی، فلسفی اور محقق سے بالکل مختلف ہے۔ ایک طرف تو اس کا موضوع اتنا وسیع ہے کہ زندگی کے تمام معاملات اس کے تحت آجاتے ہیں اور دوسری طرف اس کے مخاطبین میں مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے فرق ہوتا ہے اور ان کی ذہنی استعداد بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ اس لیے داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مخاطب کی صلاحیتوں کے اس اختلاف کو پیش نظر رکھ کر بات کرے، اور مخاطبین کے مذاق اور رجحان طبع کا لحاظ کرتے ہوئے دعوت کے مختلف اسالیب اختیار کرے اور اس کی طرف مختلف سمتوں سے آئے کہ نہ صرف اس پر حق واضح ہو جائے بلکہ اس پر اتمام حجت بھی ہو جائے۔ اگر داعی دعوت کا ایک ہی متعین اسلوب اختیار کرے گا تو اس کی ناکامی نوشتہ دیوار ہے۔ کیونکہ اس کی یہ یک رنگی اس فطرت کے بالکل خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر فرد میں طبعیتوں اور صلاحیتوں کے اختلاف کے ساتھ رکھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی دعوتی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دعوت دین کا کوئی متعین اسلوب اختیار نہیں کیا بلکہ مخاطب کے حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے جو مناسب جانا، اس اسلوب اور انداز کو اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اسلوب دعوت کی جو تلقین کی، اس میں بھی جو تنوع ہے، وہ مخاطبین دعوت کے اعتبار ہی سے ہے۔

داعی کا کام مدعو کے ذہن کو بالکل تبدیل کر کے رکھ دینا ہے، اس لیے یہ کام اس قدر آسان نہیں۔ اس کے لیے داعی کا صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم ہونا بھی ضروری ہے۔ دعوت حق میں حکیمانہ اندازِ مخاطب کامیابی کی ضمانت بن سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکمت کے سارے اصول پیغمبر اسلام ﷺ کو سکھائے اور آپ ﷺ نے اپنی دعوتی زندگی میں ان اسالیب کو اختیار کر کے ایک مثال قائم کی اور پھر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی بھی اسی نچ پر تربیت فرمائی۔ دعوت کے اصول اور اسلوب کو اتنی وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا امت محمدیہ ﷺ کی ایسی خصوصیت ہے جس میں دنیا کا کوئی مذہب، چاہے وہ الہامی ہو یا غیر الہامی، اسلام کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ قرآن نے خود دعوت کے اصول اور اسلوب کو بیان کیا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے اس پر عمل کر کے ایک عملی مثال قائم فرمائی اور پھر آپ ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو بھی ان کی تلقین اور ہدایت فرمائی جیسا کہ گذشتہ سطور میں اس کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔